تلخیص و ترجمہ

حبشہ کے مسلمان

ذیل کا مضمون "المجتمع العربی" کے ایک مقالہ کا ملخص ترجمہ ہے

حبشہ اپنے حیوانات و نباتات اور جائے وقوع کے لحاظ سے جزیرۃ العرب کے جنوبی حصہ سے جتنا زیادہ مشابہ ہے اتنا افریقہ کا کوئی حصہ اس سے مشابہ نہیں۔ اور حقیقت بھی یہ ہے کہ جزیرۃ العرب اور حبشہ میں تنگنائے باب المندب اور بحر احمر کے سوا کسی اور چیز کا فصل نہیں۔ دونوں ملک قدیم ایام سے ایک دوسرے کے ساتھ بہت زیادہ وابستہ رہے ہیں۔ ہجرت سے بھی پانچ یا اس سے زیادہ صدیوں پہلے یمن سے سامی لوگ حبشہ میں آکر آباد ہوئے تھے اور اپنے ساتھ ایک نظام اجتماعی ترقی یافتہ تہذیب و تمدن اور ایک ایسی زبان بھی لیتے آئے تھے جس کے حروف حمیری زبان سے بہت ملتے جلتے تھے۔ سامیوں کی اس ہجرت نے حبشہ کے تہذیب و تمدن کے ارتقاء پر بہت عمدہ اثر کیا اور اس دن سے اس کی حضارت ترقی پذیر ہونے لگی۔ یہ سامی لوگ اپنے آپ کو "جعز" (احرار) کہتے تھے۔ ان مہاجرین کو حبشہ میں آئے ہوئے تھوڑی ہی مدت ہوئی تھی کہ انھوں نے دینِ مسیحی قبول کر لیا۔ ان کا لٹریچر نہایت شاندار تھا گیارہویں صدی ہجری میں ان کی زبان بھی فنا ہو گئی۔ لیکن اس زبان کے تعلق سے جو اور چند بولیاں پیدا ہو گئی تھیں مثلاً "امہریہ" اور "تجرہ" وغیرہ وہ آج تک باقی ہیں اور حبشہ کے اشراف و عمائد انھیں بولیوں میں گفتگو کرتے ہیں۔ قدیم زمانہ میں جنوبی جزیرۃ العرب اور مکہ اور حبشہ کے درمیان تجارتی تعلقات نہایت خوشگوار اور مضبوط تھے۔

جب اسلام آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ حبش کے ساتھ روابط پیدا کر لئے۔ کیونکہ

یہاں ایسے لوگ بکثرت تھے جو آنحضرتؐ کی دعوت پر لبیک کہتے تھے اور اس کی دل سے قدر کرتے تھے یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہ حبشہ نجاشی کے پاس اپنے متبعین کی ایک جماعت بھیجی تھی جن کی نجاشی نے خاطر خواہ تواضع و مدارات کی تھی۔ پھر کچھ عرصہ یہاں قیام کرنے کے بعد جب یہ حضرات واپس ہوئے تو نجاشی نے ان کو بڑے اعزاز و اکرام سے مکہ معظمہ کے لئے رخصت کیا۔ پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام حبیبہ سے نکاح کیا جو ہجرت کرنیوالی خواتین میں سے تھیں تو نجاشی نے ان کے لئے ایک قیمتی تحفہ بھی ارسال کیا تھا۔ اسی تعلق کا نتیجہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب نجاشی کے انتقال کی خبر پہنچی تو آپ نے مسجد مدینہ میں اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ اسی بنا پر بعد کے مورخین نے یہ لکھا ہے کہ نجاشی مسلمان ہو گیا تھا ممکن ہے یہ صحیح ہو لیکن تاریخ سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام حبشہ میں باقاعدہ طور پر چوتھی صدی ہجری میں داخل ہوا ہے جبکہ ایک شخص جن کا نام اباد یر تھا حبشہ کے شہر ہرر میں آئے اور یہاں رہ کر انھوں نے اسلام کی تبلیغ و اشاعت شروع کی۔ اس وقت سے ہرر اسلام کی اشاعت کا ایک مرکز بن گیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آٹھویں صدی ہجری سے پہلے ہی پہلے بلاد حبش کا نصف شرقی حصہ مسلمان بادشاہوں کی حکومت کے ماتحت داخل ہو گیا تھا انھیں بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا جس کا نام "ایفات" تھا اس نے شہر انکوبر کو اپنا پایۂ تخت بنالیا تھا جو "عدیس بابا" سے شمالی شرقی جانب صرف ڈیڑھ سو کیلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ ایفات مکہ معظمہ کے ایک شریف گھرانہ کا فرد تھا۔ اس خاندان کو حبشہ میں ایسا رسوخ و اثر حاصل ہوا کہ قریب قریب تمام حبشہ ہی ۷۷۷ھ میں اس کے زیر اثر آگیا تھا۔ اس خاندان کے وسیع اقتدار کی وجہ سے نجاشی کو اپنا نفوذ و اثر واپس لے لینے میں بڑی دقتیں پیش آئیں مگر اب حبشیوں اور قبطیوں میں تعلقات خوشگوار ہو گئے اور نجاشی نے اپنے ملک کے معاملات میں مشورہ کرنے کے لئے مصر سے ارباب رائے کو بلانا شروع کر دیا۔ مگر حبش کے مسلمانوں نے اب اپنا رخ مصر کی طرف کر لیا اور وہ اپنے بچوں کو تعلیم و تربیت کے لئے مصر بھیجنے لگے حبشی مسلمانوں کی اس کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں میں بڑے

بڑے علما اور فضلا پیدا ہوئے جو علوم و فنون اسلامیہ میں بڑی مہارت و بصیرت رکھتے تھے۔ یہ مسلمان اپنے آپ کو "جبرتی" کہلانا پسند کرتے تھے۔ اسی نسبت سے ان علما کو بھی "جبرتی" کہا جاتا تھا۔

۹۳۲ھ میں ایک صومالی شخص احمد جران نے بعض بلادِ حبش پر قبضہ کر لیا اور شمال کی جانب سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن اس کو شکست ہو گئی اس سلسلہ میں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ اس جنگ کی وجہ سے حبشہ کے عیسائیوں اور مسلمانوں کے تعلقات خراب نہیں ہوئے بلکہ ان کا تعاون بدستور باقی رہا اور اسلام کی نشر و اشاعت میں بھی کوئی رخنہ پیدا نہیں ہوا۔

۱۰۵۷ھ میں امام یمن نے حبشہ ایک وفد بھیجا تھا جس نے اپنی رپورٹ میں لکھا تھا کہ بیلول سے جو جبوتی کے پاس واقع ہے۔ جندر تک جو اس زمانہ میں حبشہ کا دار السلطنت تھا۔ اس وفد نے ہر جگہ مسلمانوں کو خوش حال اور باثروت و رفاہیت پایا ہے۔ ان مسلمانوں میں ایک بڑی تعداد ان لوگوں کی بھی تھی جو حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے۔ ان کے علاوہ خود دار السلطنت جندر کی آبادی کا بڑا حصہ مسلمانوں پر مشتمل تھا۔ گیارہویں صدی ہجری میں جالا کے قبائل بھی اسلام میں داخل ہونے لگے۔ اسی طرح علاقہ تجرہ کے باشندے جو شمال میں واقع ہے آج بکثرت مسلمان ہیں حالانکہ بارہویں صدی ہجری میں یہ لوگ مذہبِ عیسوی کے ہی پیرو تھے۔

اگرچہ مردم شماری کا کوئی ایسا صحیح اور مکمل نقشہ موجود نہیں ہے جس پر بھروسہ کیا جائے۔ تاہم عام طور پر جو معروف ہے وہ یہ ہے کہ حبشہ میں پانچ ملیون مسیحی ہیں، چار ملیون مسلمان اور تین ملیون بت پرست ہیں۔ بظاہر یہ عدد بہت معلوم ہوتے ہیں تاہم نسبت صحیح ہے اب بت پرستوں میں بھی اسلام کی طرف خاصہ میلان پایا جاتا ہے ارٹیریا کی ½ آبادی مسلمان ہے اور صومال برطانوی جو پہلے اٹلی کے قبضہ میں تھا اس کی تو کل آبادی مسلمانوں پر ہی مشتمل تھی۔

حبشہ کے مسلمان جو اپنے آپ کو آج کل "جبرتی" کے نام سے پکارتے ہیں راسخ العقیدہ مسلمان

ہیں۔ ان میں اسلامی غیرت بدرجۂ اتم ہے۔ لیکن ہاں دوسرے ممالک کے مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کی تعلیم کم ہے۔ ان میں عربی جاننے والے کم ہیں، ان کی زبان امھریہ ہے جسے وہ عربی خط میں لکھتے ہیں۔ اس زبان میں انھوں نے قرآن مجید کے بعض پاروں اور سورتوں کے ترجمے بھی کئے ہیں۔ یوں تو مسلمان بچوں کو اکثر و بیشتر دین کے مبادیات کی تعلیم دی جاتی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ مسجدوں میں اعلیٰ تعلیم کا کوئی انتظام نہیں ہے اس لئے جس مسلمان کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنی ہوتی ہے اسے قاہرہ کا رخ کرنا پڑتا ہے۔

لیکن اب چند برسوں سے خود حبشہ میں بھی مسلمانوں کی تعلیم کا اچھا بندوبست ہوگیا ہے اس سلسلہ میں وہاں متعدد مدارس قائم کئے گئے ہیں اور کئی ایک نوجوان مسلمانوں کی انجمنیں بھی بڑے بڑے شہروں میں قائم ہوئی ہیں۔ گذشتہ صدی ہجری کے آخر میں انحطاط عام اور حبشہ اور مصر کی باہم جنگوں کے باعث جن کا سلسلہ ۱۲۹۸ھ تک جاری رہا مسلمانوں اور حکومت کے تعلقات کشیدہ ہوگئے تھے۔ لیکن شاہ منلیک اور موجودہ شاہ ہیلا سلاسی کی حکومت میں حالت بدل گئی اور اب وہاں کی حکومت مسلمانوں کے وجود کی اہمیت کو محسوس کرنے لگی ہے اور اس بات کی کوشش ہو رہی ہے کہ مسلمانوں کو حکومت کے معاملات میں زیادہ شریک کیا جائے۔

۱۳۵۰ھ سے شاہ حبش ہیلا سلاسی نے بڑے بڑے علماء اسلام کی خدمات اس لئے حاصل کرنی شروع کر دیں کہ یہ حضرات مختلف قبیلوں کا دورہ کر کے حکومت کے اغراض و مقاصد کی توضیح کریں اور اس طرح حکومت کے لئے ان کی تائید حاصل کریں۔ اس کے ساتھ ہی ہیلا سلاسی نے مسلمانوں کو بڑی رقمیں اس غرض سے دیں کہ وہ ان سے اپنے لئے مدارس و مساجد کی تعمیر کریں۔ اور مزید برآں یہ بھی کیا کہ مسلمانوں کے دینی معاملات کا فیصلہ کرنے کے لئے مسلمان قاضی مقرر کر دیئے۔

اسی اثناء میں اٹلی اور حبش کے درمیان جنگ کا آغاز ہوگیا۔ اس جنگ میں اٹلی نے مسلمانوں کی رائے کو اپنے حق میں کرنے کے لئے بڑی جدوجہد کی، بڑی بڑی رقمیں صرف کیں لیکن مسلمانوں کو اچھی طرح معلوم

تھا کہ اٹلی کا رویہ ان بھائیوں کے ساتھ جو البانیہ میں آباد ہیں کیا ہے؟ اس لئے وہ اٹلی کے دام میں نہ پھنسے اس کے برعکس ان لوگوں نے فوراً ایک جمعیۃ اسلامیہ قائم کر لی جس کے صدر شیخ عمر ازہری تھے اور جس کو امام یحییٰ کے نمایندہ کی امداد حاصل تھی۔ اس جمعیت کے ماتحت حبشہ کے مسلمانوں نے پورے اخلاص اور وفاشعاری کے ساتھ شاہِ حبش کی امداد کی۔ اکثر اہلِ قافلہ عربوں نے نجاشی کو اپنے مویشی پیش کئے تاکہ وہ ان سے اٹلی کے خلاف جنگ میں کام لے سکے۔ مسلمانانِ حبش کے علاوہ دور دراز کے اسلامی ممالک نے بھی اس جنگ میں نجاشی کی مدد میں بڑا حصہ لیا۔ چنانچہ مصر و شام سے بکثرت وفود یہاں آئے اور انھوں نے اپنی رضاکارانہ خدمات پیش کیں۔ لیکن اٹلی کے جدید قسم کے اسلحہ کے مقابلہ میں ان کا کوئی اثر نہیں ہوا اور حبشہ اطالوی اقتدار کے ماتحت آگیا۔

پانچ برس تک اطالوی حکومت کے پنجہ میں گرفتار رہنے کے بعد اب پھر اتحادیوں کی مدد سے حبشہ آزاد ہوگیا ہے اور وہاں کے مسلمانوں اور مسیحیوں میں جو تعلقات پہلے تھے اب وہ اور بھی شگفتہ ہوگئے ہیں۔

(ع ۔ ص ۔)

کلامِ عربی

کم فرصت شائقین عربی کے لئے یہ ایک بے نظیر کتاب ہے۔ جو جدید تعلیمی اصول پر لکھی گئی ہے۔ اس میں صرف و نحو کے ضروری قواعد، ضروریات زندگی سے متعلق جملے اور مکالمے، قرآن شریف و حدیث شریف کے اقتباسات، مفید امثال و اقوال، دلچسپ لطائف و حکایات، جدید طرز کے خطوط و رقعات اور تازہ ترین عربی اخبارات اور رسائل کے انتخابات بہترین ترتیب کے ساتھ اسباق کی صورت میں جمع کر دیئے گئے ہیں۔ تمام کتاب با اعراب و با ترجمہ ہے۔ کتاب کے ساتھ ڈیڑھ ہزار ضروری الفاظ کی ایک اُردو سے عربی ڈکشنری اور ۱۳۵۰ جدید عربی الفاظ کی دوسری عربی سے اُردو ڈکشنری بھی شامل ہے۔ عام شائقین عربی کے علاوہ مدارس عربی کے طلباء بھی جدید عربی سے واقفیت، ترجمہ و گفتگو کی مشق کے لئے اس کتاب سے بہت کچھ فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔

مشاہیر علمائے ہند

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی، حضرت علامہ حسین احمد مدنی، حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی، حضرت مولانا محمد طیب دیوبندی وغیرہم نے کتاب کے متعلق بہترین آراء کا اظہار فرمایا ہے۔

کتابت و طباعت عمدہ، تقطیع متوسط، حصہ اول ۱۴۰ صفحات، قیمت (۱/۰)
حصہ دوم ۱۱۲ صفحات۔ قیمت دس آنے (۱۰/)

مکتبہ ”برہان“ دہلی قرول باغ